

مرتب: مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی
استاد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

(قسط ۵۸)
۱۹۸۳ء کی ڈائری:

مولانا سمیع الحق مدظلہ کی ذاتی ڈائری

مولانا قاری محمد طیب قاسمی اور مولانا شمس الحق افغانی کی رحلت پر تاثرات

عم محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم آٹھ نو سال کی نوعمری سے معمولات کی ڈائری لکھنے کے عادی تھے۔ ان ڈائریوں میں آپ اپنے ذاتی اور عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کے معمولات شب و روز اور اسفار کے علاوہ اعزہ واقارب، اہل محلہ و گرد و پیش اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے احوال و واقعات درج فرماتے۔ آپ کی اولین ڈائری ۱۹۳۹ء کی لکھی ہوئی ہے۔ جس سے آپ کا ذوق اور علمی شغف بچپن سے عیاں ہوتا ہے۔ احقر نے جب ان ڈائریوں پر سرسری نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ جابجا دوران مطالعہ کوئی عجیب واقعہ، تحقیق عبارت، علمی لطیفہ، مطلب خیز شعر، ادبی نکتہ، اور تاریخی عجوبہ آپ نے دیکھا تو اسے ڈائری میں محفوظ کر لیا۔ اس پر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ مطالعہ کے اس نچوڑ اور سینکڑوں رسائل اور ہزار ہا صفحات کے عطر کشید کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے جس سے آئندہ آنے والی نسلیں اور اسیرانِ ذوق مطالعہ استفادہ کر سکیں۔ تاہم یہ واضح رہے کہ نہ تو یہ مستقل کوئی تالیف ہے اور نہ ہی شائع کرنے کے خیال سے اسے مرتب کیا گیا ہے۔ اسلئے ان میں اسلوب کی یکسانیت اور موضوعاتی ربط پایا جانا ضروری نہیں..... (مرتب)

دارالعلوم شریعیہ بنوں کے طلباء کا ختم بخاری

۳۴ مئی ۸۳ء: دارالعلوم شریعیہ بنوں کے مہتمم مولانا حضرت علی صاحب مدظلہ دورہ حدیث کے طلباء کی ایک جماعت کے ساتھ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، تاکہ حضرت اقدس شیخ الحدیث مدظلہ سے ختم بخاری کی سعادت حاصل کریں، لہذا ایک پروقار تقریب منعقد ہوئی، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا جسے مولانا انوار الحق صاحب نے قلمبند کیا، طلباء کو اجازت حدیث مرحمت فرمانے کیساتھ ساتھ انکی درخواست پر دستار بندی بھی کرائی، اسی طرح مختصر اقامت کے بعد طالبان علم نبوت کا یہ قافلہ بنوں لئے روانہ ہوا۔

قدیم گھر کی بیٹھک:

۱۹ مئی ۱۹۸۳ء: مولانا صاحب مدظلہ نے بنوں کی بیٹھک سے بے حد

فرسودگی کی وجہ سے بالآخر گراہی دیا گیا جو خود گراہی چاہتا تھا اب تک اس کی لپٹا پوتی اور مرمت ہوتی رہی اور حضرت اسے پختہ کرانے پر راضی نہیں ہوتے تھے یہ بیٹھک گویا نصف صدی تک اعیان علم و فضل کی مہمان گاہ اور اقامت گاہ رہی حضرت کا مطالعہ گاہ بھی یہی تھا اور ملاقاتیوں کا ویننگ روم بھی اور وفود سے ملنے کی جگہ بھی اور بارش یا عوارض کی وجہ سے کبھی کبھی حضرت کی درس گاہ بھی، اس تاریخی بیٹھک کو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مجاہد الکبیر حاجی ترنگ زئی مرحوم، مولانا نصیر الدین غور غشتوی، مولانا احمد علی لاہوری، امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری اور اس عہد کے تقریباً تمام اجلہ علم و فضل کی استراحت گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ وزراء حکام اور گورنر بھی اس میں خاک نشیں ہوتے رہے اس ٹوٹے پھوٹے مٹی گارے کی بنی ہوئی بیٹھک میں سب یکساں فروکش ہوتے۔ ۲۰، ۲۵ مہمانوں کا ڈائینگ حال بھی یہی ہوتا، چارپائی ہوا کر زمین پر دسترخوان بچھا کر تنگ تنگ مہمان سما جاتے حضرت بسا اوقات خود کھڑے رہتے اور مہمانوں کی خدمت کرتے حضرت مدظلہ کو طبعی طور پر اس کے ساتھ طبعی لگاؤ تھا اس لئے اس کی تجدید و تبدیلی پسند نہ کی دو کھڑکیاں ایک دروازہ مشرقی گلی میں اور ایک شمالی دروازہ گھر کی گلی میں کھلتا تھا دیواریں کچے گارے اور پتھر کی مغربی دیوار میں دو الماریاں نصب تھیں جو حضرت کی کتابوں سے بھری ہوتیں تین چارپائیاں بچھا دیتے تو اس میں سات آٹھ آدمی بمشکل بیٹھ سکتے چارپائی کے پائنتی کے کونے میں وضو خانہ بھی یہی تھا۔ یہ بیٹھک بھی گھر کی تعمیر کے ساتھ جدا مجد مرحوم نے بنائی تھی گرانے سے قبل میں نے عزیزم شفیق فاروقی سے اس تاریخی غربت کدہ کی تصاویر اتروائیں میرے عنقوان شباب کا بڑا حصہ بھی اسی میں بسر ہوا یہ بیٹھک اسی نقشہ پر اب بھی ہے مگر پختہ ہے۔

(بچپن اور بدوشعور کے زمانہ میں احقر کو بھی اس بیٹھک میں بڑے اکابر علماء و زعماء و صلحاء اور شیخ الحدیث کے ہزاروں معتقدین کی جوتیاں سیدھی کرنے اور زیارت و میزبانی کے لوازمات انجام دینے کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔ عرفان الحق)

حرکت انقلاب اسلامی کے زیر اہتمام افغانی فضلاء کی دستار بندی میں شرکت
 ۲۰ مئی: حرکت انقلاب اسلامی افغانستان کے زیر اہتمام افغانستان سے تعلق رکھنے والے، فارغ التحصیل طلباء کی دستار بندی کیلئے محمدی مسجد گلہار پشاور میں ایک عظیم الشان اجتماع منعقد ہوا، طلباء میں اکثریت مذکورہ تنظیم سے تعلق رکھتی تھی، جنہوں نے دارالعلوم حقانیہ سے تعلیم حاصل کی تھی، منتظمین کے شدید اصرار پر احقر اور مفتی اعظم دارالعلوم حقانیہ مولانا مفتی محمد رفیع صاحب نے اجتماع میں شرکت کی، اور جہاد کے موضوع

پر خطاب بھی کیا اور دستار بندی میں بھی شریک رہے۔ میری تقریر کا کچھ حصہ اگلے روز مشرق اخبار میں شائع بھی ہوئی اس موقع پر مولانا صبنہ اللہ مجددی جو کہ افغان جہاد کے ایک زعيم ہیں، سے گفتگو بھی ہوئی انہوں نے کسی وقت دارالعلوم حاضری کی خواہش بھی ظاہر کی۔

جزائر مالدیپ کے مشیر مذہبی امور کی آمد

۱۳ جون: سربراہ مالدیپ کے مشیر مذہبی امور شیخ الاسلام محمد جمیل صاحب زیدی مطالعاتی و تعارفی دورہ میں دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات کی اور اہم امور پر تبادلہ خیال کیا، جہاں حضرت شیخ الحدیث نے انہیں ضیافت بھی دی، اگرچہ دارالعلوم میں عام تعطیلات تھیں تاہم حضرت شیخ الحدیث کی ملاقات اور دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات دیکھنے سے بے حد خوش ہوئے، اور کتاب الاراء میں اپنی گراں قدر رائے بھی تحریر فرمائی۔

تعزیتی اجتماع میں شیخ الحدیث کا قاری طیب قاسمی کو خراج عقیدت

حضرت قاری محمد طیب مرحوم کے ساتھ ارحام کے موقع پر حضرت مولانا عبدالحق کا تعزیتی اجتماع سے خطاب کا اقتباس:

محترم بھائیو! اکابر دیوبند کا ذکر بھی اسی مناسبت سے چل پڑا ہے کہ ابھی پچھلے دنوں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ حضرت قاری صاحب ایک پاکباز اور باکردار انسان تھے۔ حضرت مولانا قاسم العلوم کے علوم (جبکہ ان کی ہر کتاب علوم و معرفت کی ایک بحر ذخار ہے اور انکی تصنیفات جو علم الکلام، علم الحدیث پر لکھی گئی ہیں، کو سمجھ لینا بھی کوئی آسان بات نہیں ہے) کے ترجمان تھے۔ الولد سرا بیہ کا مظہر تھے۔ حضرت قاری صاحب اکابرین دیوبند کے علوم بالخصوص علوم قاسمیہ، علوم شیخ الہند اور علوم تھانوی کا ایک عظیم خزانہ، جامع ماہر اور شارح تھے، تحریر و تقریر میں ان کو زبردست ملکہ حاصل تھا اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کو جو خدا تعالیٰ نے علمی لحاظ سے، طلباء کے لحاظ سے اساتذہ اور علماء کے لحاظ سے، اقتصادیات اور تعمیرات کے لحاظ سے اور ہر لحاظ سے جو خوبیاں عطا فرمائی ہیں اور ترقیات سے نوازا ہے، یہ سب کچھ حضرت قاری صاحب کے دور اہتمام اور ان کے زیر نگرانی انجام کو پہنچا ہے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے زمانہ میں حضرت العلام مولانا انور شاہ کشمیری دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس رہ چکے ہیں، پھر ان کے بعد شیخ العرب والحم حضرت مولانا سید حسین مدنی حضرت قاری صاحب ہی کے زمانہ اہتمام میں تدریس کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند نے اس زمانہ میں جو عروج اور ترقی حاصل کی ہے، یہ تاج اور اس کا سہرا حضرت قاری صاحب مرحوم کی مساعی جلیلہ کے سر ہے اور یہ ان ہی کے حصہ شہانہ روز مساعی کا ثمرہ ہے۔ بہر تقدیر

حضرت قاری صاحبؒ ایک پاکیزہ شخصیت، جامع العلوم اور بہترین کمالات سے متصف تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے خاندان میں اور ان کے دیگر نائین کے خاندان میں حضرت قاری صاحبؒ والے تمام اوصاف و کمالات پیدا فرمادے اور خدا تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس خلا کو پورا فرمادے۔ آج شہر بستی بستی، قریہ قریہ جو آپ کو یہ دینی علوم کے مدارس و مراکز نظر آتے ہیں اور ہر گاؤں اور ہر بستی میں جو آپ کو دارالعلوم دیوبند کا فاضل، اکابر اساتذہ کا تلمیذ یا تلمیذ التلمیذ نظر آتا ہے یہ سب دارالعلوم دیوبند کی مساعی جلیلہ کا نتیجہ ہے اور یہ سب دارالعلوم دیوبند ہی کی برکات ہیں۔ ایشیا بھر میں پھیلے ہوئے مدارس، ان کے اساتذہ و منتظمین کا تعلق بغیر واسطہ کے یا بلا واسطہ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہے۔

دارالعلوم حقانیہ اور اسکے بانی سے تعلق:

حضرت قاری صاحب مرحوم دارالعلوم حقانیہ سے حد سے زیادہ شفقت اور حد سے زیادہ محبت تھی جب بھی پاکستان تشریف لاتے تو دارالعلوم حقانیہ ضرور تشریف لاتے جب ہم سالانہ جلسہ دستار بندی کرتے (جو اب کافی عرصہ سے سالانہ اجتماع اور دستار بندی وغیرہ کا نظام متروک ہو چکا ہے، بفضل اللہ حلقہ کی وسعت اور فضلاء کی کثرت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ جس کی وجہ سے جلسہ کا کنٹرول ایک بڑی سطح کے منصوبہ اور بڑے پیمانہ کے انتظام کے بغیر انجام کو نہیں پہنچ سکتا) تب بھی حضرت تشریف لاتے، ایک مرتبہ اس سامنے والی گیلری (دارالحدیث کے سامنے برآمدے کے اوپر والا بالا خانہ یا گیلری جو کافی عرصہ تک حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی قیام گاہ رہا ہے) میں بھی قیام فرمایا اور غالباً ایسے ہی ایک موقع پر جب آپ نے دارالعلوم حقانیہ اور اس کے مختلف شعبوں اور طلبہ کی قیام گاہوں کے مختلف احاطوں کا معائنہ کیا تو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ نے ارشاد فرمایا۔ ”مجھے دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم دیوبند سے جدا نظر نہیں آتا، بلکہ دارالعلوم حقانیہ نے دارالعلوم دیوبند کو اپنے ضمن میں لے رکھا ہے، سارے پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کے نمونہ اور نقش قدم پر دارالعلوم حقانیہ گامزن ہے اور یہ دیوبند ثانی بن چکا ہے۔“

اور ایک مرتبہ تو یہاں تک فرمایا کہ: ”میں دارالعلوم حقانیہ آ کر یوں محسوس کرتا ہوں جیسے دارالعلوم دیوبند آ گیا ہوں اور گویا اپنے گھر میں موجود ہوں۔“ یہ تاثرات دارالعلوم کی کتاب الآراء میں بھی قلمبند فرمائے ہیں۔ بہر حال یہاں آ کر حد درجہ خوشی اور محبت کا اظہار فرماتے اور جو نئے مسائل پیش آتے اس میں بھی دارالعلوم حقانیہ کی رائے کو شامل فرما لیتے۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ حضرتؒ کو دارالعلوم حقانیہ خاص کر مجھ ناچیز پر حد درجہ شفقت تھی۔ دارالعلوم دیوبند میں میں نے جو زندگی کے محاسن گزارے ہیں خاص کر مدرسے کا زمانہ جو تقریباً ساڑھے

چار سال ہے اور اس زمانہ میں ہر فن میں تقریباً کوئی ایسی کتاب نہ ہوگی جو میں نے نہ پڑھائی ہو۔ دیگر اساتذہ کی شفقت و محبت کے باوجود چونکہ اختیارات مہتمم صاحب کے ہوتے ہیں تو حضرت مہتمم صاحبؒ ہر معاملہ میں ترجیحی سلوک میرے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ اسباق اور تدریس کا مسئلہ بھی یوں تھا کہ جب بعض اساتذہ حج کو تشریف لے جاتے یا کسی اور عذر سے وہ اسباق نہ پڑھا سکتے تو ان کے اسباق اور کتابیں (جو زیادہ تر فقہ، حدیث، فلسفہ، منطق، معانی اور تفسیر کی ہوتی تھیں) کی تدریس کی ذمہ داری بھی مجھے سونپ دی جاتی اور فرماتے کہ یہ نوجوان ہے اور کام اچھا چلا سکتا ہے اور یہ محض ان کا حسن ظن تھا۔ تو حضرت مہتمم صاحب مرحوم نے بحیثیت مہتمم دارالعلوم دیوبند مجھ ناچیز پر جو شفقت فرمائی ہے اور خاص کردار العلوم حقانیہ سے اور ایک موقعہ پر فرمایا کہ ”دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم دیوبند کا بیٹا ہے۔“

حضرت قاری صاحب مرحوم دارالعلوم حقانیہ کو بہت ترجیح دیتے تھے اور اس کے ذکر پر فخر فرمایا کرتے تھے اور یہ خدا تعالیٰ کا اپنا فضل و کرم ہے کہ تمام اکابر اساتذہ، دارالعلوم دیوبند کو دارالعلوم حقانیہ سے ایک خاص محبت تھی، اور سب فرماتے کہ ”یہ ہمارا اپنا دارالعلوم ہے۔“

حضرت قاری صاحب مرحوم کا سب سے بڑا کارنامہ دارالعلوم دیوبند کو ترقی اور عروج کے بلند معیار پر پہنچا دینا ہے کہ آج تمام دنیا کے لیے دیوبند مشعل راہ ہے۔ نکثیر علماء، نکثیر طلباء، تدوین کتب اور تعمیرات ہر لحاظ سے دارالعلوم دیوبند ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ جس کی خدمات اور شہرہ کا لگھنس فی نصف النہار ہے۔ آج ہم اُن کے سایہ شفقت سے محروم ہو گئے ہیں یہ تمام اہل علم کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند تمام اہل علم کی مادر علمی ہے۔ اس لیے دارالعلوم حقانیہ کے لیے یہ ایک بہت بڑا صدمہ ہے۔ میں کیا عرض کروں؟ حضرت قاری صاحب کی وفات سے ہمارے قلوب کو صدمہ پہنچا۔ ہم ایک بڑے مشفق، ایک بڑے مہربان، ایک بڑے تجربہ کار، بڑے عالم اور خاص کردار العلوم دیوبند اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم کے حامل سے محروم ہو گئے۔ قیامت کی علامات سے من جملہ ایک علامت یہ بھی ہے کہ یرفع العلم، جیسا کہ امام بخاریؒ نے اس جانب اشارہ فرمایا ہے کہ جب علم ناپید ہو جائے اور لوگ علوم دینیہ سے محروم ہو جائیں تو دین ختم ہو جائے گا۔ دین ہم کو علم ہی بتلاتا ہے۔ ہم جو یہاں جمع ہوئے ہیں ہمارا مقصد علم حاصل کرنا ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور اللہ تعالیٰ کے دین کے احکام و مسائل سیکھ لیں، جب مسائل معلوم ہو جائیں تو اولاً ان پر خود عمل کریں، پھر ان کی حفاظت و اشاعت کی کوشش کریں۔ اسی تبلیغ و اشاعت کے نتیجے میں انشاء اللہ عالم آباد رہے گا اور اگر یہ کام چھوڑ دیا جائے تو عالم برباد ہو جائے گا.....

کچھ ایسے بھی اُٹھ جائیں گے اس برم سے جن کو ہم دھوکے لکھو گے مگر پانہ سکو گے

قاری محمد طیب قاسمیؒ کے وفات پر احقر کے تعزیتی تاثرات

داغِ فراق صحتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے

دارالعلوم دیوبند کی محفلِ دو شین کا وہ چراغِ سحر جو پچھلے دو سال سے حوادث و انقلاباتِ زمانہ کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر بھی ٹٹم رہا تھا، بالآخر شوال ۱۴۰۳ھ کے پہلے ہفتہ میں ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا، یعنی حکیم الاسلام، مظہر انوارِ قاسمیہ، مسند نشین جامعہ دیوبندیہ، ترجمانِ حقائقِ اسلامیہ مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب قاسمی قدس اللہ سرہ العزیز نے داعیِ اجل کو لبیک کہا، اور دیوبندی مکتب فکر کے اس میرِ مجلس کے بساطِ پلیٹ دینے سے محفلیں اجڑ گئی ہیں اور ہر سود و حشت اور ویراگی کا سا عالم ہے۔ اب اُس دور کا بالکل خاتمہ ہو گیا ہے جو شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامۃ العصر مولانا نور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (رحمہم اللہ) کا یادگار تھا۔ ان کی ذات ان اکابر کی نہ صرف بقیۃ السلف نشانی تھی بلکہ ان کی ذات میں ان تمام اکابر و واسطین دیوبند کی نسبتیں جمع تھیں اور وہ زندگی بھر اپنی ذاتی، حسی اور نسبی گونا گوں خصائص و کمالات کے وجہ سے ان تمام اکابر کے محبوب بن چکے تھے۔ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ شاید آپ دارالعلوم دیوبند چھوڑ کر پاکستان سکونت اختیار کر لیتے ادھر اکابر دیوبند باصرار آپ کو دوبارہ دیوبند بھیج لائے تو استقبالِ تقریب میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے دیدہ پر نرم اور گلو گیر آواز میں ان کو مخاطب کر کے فرمایا:.....

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

بلاشبہ ان کی ذاتِ محبوبیت میں تماشا گاہِ عالم تھی، وہ اس گلشنِ علم و معرفت کے مالی اور شجرۂ طوبیٰ کے امین تھے جس کے لیے حجتہ الاسلام ولی اللہ دہلویؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر کیؒ اور شہدائے بالا کوٹ نے زمین، ہمواری، جس کی داغ و بیل حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور فقیہ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ڈالی اور جس کی آبیاری میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامۃ العصر نور شاہ کشمیریؒ اور مجاہدِ اعظم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جیسے عمائدین امت نے اپنی زندگی تج دی۔ یہ امانت جب آپ کے ہاتھوں میں آئی تو پون صدی کے طویل اور صبر آزمائے روزِ جدوجہد، خدادادِ اہلیت و صلاحیت، اخلاص و دیانت اور والہانہ جہد و عمل کے ساتھ آپ نے اس مدرسہ علم کو ایک ایسے جامعہ میں تبدیل کر دیا جس کے انوار و تجلیات سے ایک عالم جلاکا اٹھا اور وہ اس امانت سے الگ ہو کر جب دنیا سے

رخصت ہوئے تو دیوبند کا وہ سرچشمہ علم علوم نبوت کا ایک بحرِ ذکار بن کر علم و دانش کی پوری دنیا سے اپنی برتری اور فضیلت کا لوہا منوا چکا تھا۔

آپ حضرت بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے مولانا محمد احمد مہتمم خاص کے صاحبزادے تھے۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے خصوصی تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت اور حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے، پورے طبقہ کے محبوب و منظور نظر اور مرکز علمی کی سیادت کے لحاظ سے پوری جماعت کے سید الطائفہ تھے۔ علمی فیض کے علاوہ بیعت و ارشاد کے میدان میں بھی لاکھوں مسترشدین کے روحانی رہبر و راہنما تھے۔ ۱۳۳۷ھ میں درس نظامی سے فراغت پائی اور دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔

۱۳۳۳ھ سے ۱۳۳۸ھ تک دارالعلوم کے نائب مہتمم رہے۔ ۱۳۳۸ھ سے لیکر وفات سے کچھ عرصہ قبل تک اس مرکز علم و ہدایت کی سیادت آپ کو حاصل رہی۔ نیرنگی زمانہ یا چرخ نیلگوں کی ستم ظریفی کہیئے کہ زندگی بھر علم و حکمت کے جس ”تاج محل“ (دارالعلوم دیوبند) کی آرائش و تزئین میں مصروف رہے۔

جب وہ بناء عظیم جشن صد سالہ کی شکل میں عظمت و ترقی کے اوج کمال کو چھونے لگی تو اس عمارت کا یہ ”شاہجہان“ جدائی اور مجھوری کے داغ لیے ہوئے اس دنیائے رنگ و بو سے الگ ہو گیا، جو کچھ پیش آیا گو اس کے محرکات ان کے عہد اہتمام کی طرح دیرینہ اور قدیم تھے۔ اور مشیتِ ایزدی کے سامنے کس کی چلتی ہے مگر پھر بھی بے اختیار جی میں آتا ہے کہ کاش یہ صورتحال دو ایک سال مزید پیش نہ آتی اور دارالعلوم دیوبند کا یہ جرنیل ان ہی عظمتوں اور رفعتوں کے ساتھ اور انہی قدر شناسیوں کے ساتھ ہم سے رخصت ہوا ہوتا جو زندگی بھر ہم سب نے انہی کیلئے مخصوص کر رکھی تھیں اور جس کے وہ سزاوار تھے کہ سالارِ کاروان کی شوکت و سطوت پوری جماعت اور قافلہ کی شان بڑھاتی ہے ولکن ماشاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن۔

حکیم الاسلام طمسی اور روحانی رشتوں کے ساتھ ساتھ علم و حکمت کے لحاظ سے اپنی ذات سے بھی ایک انجمن تھے، ان کے علوم و تصانیف اور خطبات، حکمت ولی الہی اور معرفت نانوتویؒ کے اُبلتے ہوئے سرچشمے ہوتے تھے۔ اسرارِ دین کی تشریح اور موزِ شریعت کی ترجمانی میں ان کا شمار گئے چنے حکماء اسلام میں ہو سکتا ہے۔ ان کی ہر تقریر حقائق و معارف کا ایک سمندر اور ہر تحریر اسرار و نکات کی ایک دنیا اپنے اندر لیے ہوئے تھی۔ ان کے خطبات سے نہ صرف برصغیر کا گوشہ گوشہ بلکہ عالم اسلام کے علاوہ افریقہ اور یورپ کی دور دراز بستیاں بھی مستفید ہوئیں۔ دین اور مادر علمی دیوبند کی آواز پہنچانے میں زندگی کا اکثر حصہ طویل اسفار کی نذر ہوا۔ اسلام

حدیث و تفسیر اور فن حقائق و اسرار کی کتابیں اکثر زیر درس بھی رہتیں۔ دعوت و بیان کا انداز حکیمانہ، تصنیف و تالیف کی شان فلسفیانہ ہونے کے باوجود شعر و سخن میں بھی اعلیٰ ذوق اور ثقہ انداز رکھتے تھے۔ ان کی مثنویاں، قصائد اور فصیح و بلیغ نظمیں، اعلیٰ ترین ذوق سخن کی غمازی کرتی ہیں۔

الغرض وہ اپنے جامع الصفات اکابر و اسلاف کے کمالات و محاسن، نجابت و سعادت، شرافت و دجاہت، فضل و کمال، اخلاق و شرافت، وقار و تمکنت، فکر و اصابت، تواضع و متانت کا ایک پیکر جمیل اور دیو بند کی اعلیٰ روایات کا ایک مرقع اور ظاہری لطافت و نظافت اور حسن و پاکیزگی کا ایک مجسمہ تھے۔ ان کا ماتم ان سب صفات کا ماتم ہے، پوری قوم اور پوری ملت کا ماتم ہے، دنیائے علم و فضل کا ماتم ہے۔ درسگاہوں، جامعات اور خانقاہوں کا ماتم ہے۔ اور دارالعلوم حقانیہ کے لیے بھی اس لحاظ سے ایک عظیم ماتم کہ دارالعلوم اور اس کے بانی مدظلہ کے ساتھ حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے علائق و روابط اور خصوصی عنایات و توجہات کی داستان تقریباً نصف صدی پر پھیلی ہوئی ہے۔

ع کبھی فرصت میں سُن لینا بڑی ہے داستان میری

الوداع اے فخر و دین و ملت، الوداع اے خادمِ حسین اسلام، الوداع اے شارحِ علومِ قاسمیہ، الوداع اے امینِ گلشنِ علومِ نبویہ، الوداع اے میر کا رواں، الوداع تیری ثُربت پر ہزاروں رحمتیں ہوں اور تو ربِ کریم کی بے پناہ لطف و کرم سے مالا مال ہو۔

نذر اشک بے قرار ازمن پذیر
گریہ بے اختیار ازمن پذیر

یرد اللہ مضجعک و نور ضریحک و انزل علیک شایب رحمتک

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کا حضرت افغانیؒ کے جنازہ پر خطاب
حضرت علامہ شمس الحق افغانی ایک جامع العلوم ہستی

۱۶ اگست ۱۹۸۳ء: کو حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کا وصال ہوا نماز جنازہ اسی دن شام ۶ بجے ان کے آبائی گاؤں ترنگزئی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے پڑھائی اور نماز کے بعد جنازہ کے شرکاء سے مختصر حسب ذیل خطاب بھی ارشاد فرمایا:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم موت العالم موت العالم

حضرت مولانا مرحوم کی جدائی ہم سب کے لیے دردِ عالم ہے بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کیلئے ایک

انتہائی صدمہ ہے، حضرت مولانا ٹنٹس الحق افغانی رحمہ اللہ کی اس وقت اس زمانہ میں مثال اور نظیر علم میں کوئی پیش نہیں کر سکتا، اپنے دور میں بے نظیر اور بے مثال تھے، ایسی پاکیزہ اور جامع العلوم ہستی ہم سے جدا ہو گئی مولانا نہ صرف قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے ایک بڑے عمیق بلکہ موجودہ دور کے سیاسی اقتصادی اور دیگر جدید مسائل کے بھی جید عالم تھے، یورپ نے جو گندگی پھیلائی اسکے ازالہ کا مولانا مرحوم کو ایک خاص ملکہ تھا، وہ ایک بے مثال مینار تھے، کسی ایک فن کا نہیں بلکہ دور جدید کے سارے مسائل کا حل اور تجاویز رکھتے تھے، ہم سے جب بھی کسی نے ایسے جامع عالم کے بارہ میں پوچھا تو فوراً مولانا مرحوم کا نام ہی سامنے آتا، عوام کو ان کی قدر معلوم نہیں کہ مولانا کیا شان رکھتے تھے کہ

ع قد زرزگر شناسد قد رجوہر جوہری

وہ بلاشبہ علوم کے سمندر تھے علوم قدیم و جدیدہ کے تحریر و تقریر سے دین کی وضاحت اور تشریح کرنے والے تھے، ترجمان دین تھے، یہاں گھر پر تو کم ہی رہے، دیوبند میں جو عالم اسلام کیلئے مرکز علوم اسلامیہ ہے، ان کا علمی شان ظاہر ہوا، جیسے امام بخاری اور دیگر اسلاف کسی شہر بصرہ، کوفہ وغیرہ سے گذرتے تو وہاں کے لوگ علمی شان معلوم کرنے کیلئے امتحان لیتے، تو حضرت افغانی جب دیوبند تشریف لائے تو سینکڑوں علماء و طلباء مختلف النوع مسائل میں تفتیش و تحقیق کرنے لگ جاتے آپ ایسے شافی جواب دیتے کہ سب کہنے لگتے کہ ان کے بارہ میں جو کچھ سنا تھا، اس سے بہت بلند پایا یہ تو بحرِ ذخار ہیں ایک ایک بات موتی اور جوہر کی طرح ہوتی، ایسا معقول انداز بیان ایسی فصاحت و بلاغت کہ حیرت ہوتی۔

تو بھائیو! آج ہم سب، خصوصاً پاکستان ایک مایہ ناز اور سرمایہ افکار عالم سے محروم ہو گیا، جو واقعی وارث الانبیاء تھا، العلماء ورثہ الانبیاء آج اس وارث الانبیاء ہستی سے ہم محروم ہو گئے، تو جتنے بھی روئیں جتنا بھی افسوس کریں، اور جتنا بھی حسرت کریں کم ہے، آج ہم یتیم ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ عالم کی موت عالم کی فنا ہے، فرمایا قیامت سے قبل علماء اٹھائے جائیں گے، اور جب علماء سے مخلوق محروم ہو جائے گی، اور دین سکھانا بند ہوگا، تو دین پر عمل بھی بند ہو جائے گا تو قیامت کیوں قائم نہ ہو، آج ہم باعمل عالم ایک محقق عالم اور محدث اور ماہر علوم قدیم و جدیدہ اور ہر باطل کے مقابلہ کیلئے دلائل کا انبار لگانے والی ہستی کے سایہ سے محروم ہو گئے ہیں، حق تعالیٰ ان کو درجات عالیہ اور مقامات قرب سے نوازے، اور ان کی برکات و فیوضات سے ہم سب کو مالا مال کرے۔

حضرت مولانا شمس الحق افغانی کی وفات پر مولانا سمیع الحق کے تعزیتی تاثرات

واور یغا۔ کہ ابھی ہم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی کے ماتم سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ۱۶ اگست منگل کی شام کو عین غروب آفتاب کے ساتھ ہم نے علم و معرفت کا ایک اور آفتاب بھی سپرد خاک کر دیا۔ ایک کے غروب سے کائنات رنگ و بو پر تاریکی چھا گئی تو دوسرے کے پنہاں ہونے سے کائنات علم و فضل میں ظلمت آگئی۔ علامہ یگانہ، محقق زمانہ، متکلم اسلام، شمس العلوم والمعارف فیلسوف اسلام علامہ شمس الحق صاحب افغانی سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند، سابق وزیر معارف ریاست قلات بلوچستان۔ سابق صدر مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، سابق شیخ الحدیث والتفسیر اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ، سابق شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور، خلیفہ مجاز حضرت مولانا مفتی محمد حسن قدس اللہ سرہ العزیز واصل بحق ہوئے جو پچھلے دو ایک سال سے صاحب فراش تھے۔ ۱۶ اگست صبح نو بجے سانحہ ارتحال پیش آیا، نماز جنازہ اسی دن ۶ بجے شام ان کے گاؤں ترنگ زئی تحصیل چارسدہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے پڑھائی اور نماز کے بعد حاضرین سے جس میں بڑی تعداد علماء و صلحاء کی تھی علامہ مرحوم کے فضائل و مناقب پر مختصر خطاب فرمایا۔ دارالعلوم حقانیہ سے بڑی تعداد میں اساتذہ و طلباء نے بھی خصوصی بسوں کا انتظام کر کے جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ غروب آفتاب کے وقت اس علامہ دوران کی تدفین عمل میں آئی، شام کی ڈھلنے والی تاریکیوں میں لوگ واپس ہو رہے تھے تو ارباب صدق و صفا اور اصحاب علم و فضل کے اس قدر تیزی سے رخصت سفر باندھنے پر کتنے اصحاب درد تھے جن کے دل ڈوبتے جا رہے تھے اور زبان حال سے کوئی کہہ رہا تھا۔

اٹھے جاتے ہیں اب اس بزم سے ارباب نظر

گھٹے جاتے ہیں میرے دل کے بڑھانے والے

مولانا کی ولادت ۷ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ مطابق ۵ ستمبر ۱۹۰۱ء ایک علمی خاندان میں ہوئی، نام شمس القمر رکھا گیا جو بعد میں شمس الحق سے تبدیل ہوا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد سرحد و افغانستان کے مشاہیر علم و فضل سے علوم و فنون کی تکمیل کی، ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند پہنچ کر ۱۹۲۱ء میں علامہ العصر سید انور شاہ کشمیری سے دورہ حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ پھر دارالعلوم دیوبند کی طرف سے ہندوستان کے ارتدادی فتنوں کی سرکوبی میں لگ گئے اور غدھی تحریک کی روک تھام میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ ابتداء سے ہی علمی میدان کے شہسوار تھے۔ علم و فضل کے ہتھیار سے آریہ سماج کے مشہور مناظرین کو بڑے بڑے

اجتماعات میں عبرتناک شکست دی۔ اس کامیابی پر ان کے اکابر اساتذہ نے دلی مسرتوں کا اظہار کیا اور دل کھول کر دعائیں دیں۔

اس کے بعد برصغیر کے تقریباً ایک درجن علمی اداروں، مدارس اور جامعات میں اسلامی علوم و فنون کی تدریس میں منہمک رہے جن میں سرفہرست دارالعلوم دیوبند ہے جہاں آپ نے تفسیر کی اعلیٰ کتابیں پڑھائیں۔ ۱۹۳۹ء میں آپ کو ریاست ہائے متحدہ بلوچستان قلات کی وزارتِ معارف کی پیشکش کی گئی اور اکابر کے مشورہ پر قضا و تعلیم کی وزارت کا قلمدان سنبھالا۔ پورے گیارہ سال آپ اس منصب پر فائز رہے۔ اس دور کے نظام عدل و قضا اور عدالتی قوانین سے متعلق آپ کی وابستگی کے نتیجے میں دنیائے علم کو ”معین القضاۃ والمفتیین“ کی شکل میں قضا و افتاء سے متعلق فقہ اسلامی کے چیدہ اصول و قواعد کا مجموعہ ملا جس نے اہل علم سے خراج تحسین حاصل کیا۔ اسلام کے ضابطہ دیوانی و فوجداری پر بھی آپ نے گرانمایہ کام کیا۔ انگریز کے چھوڑے ہوئے عدالتی نظام کے سائے سمٹنے کی بجائے پھیلتے چلے گئے اور ۱۹۵۵ء میں ون یونٹ کے قیام کے ساتھ ان کے زیرِ نظم علاقے پر بھی اس نظام کے منحوس سائے چھا گئے اور شرعی قوانین کی بالادستی قائم نہ رہ سکی تو آپ نے استعفاء دے دیا کہ کسی شرعی عدالت پر رائج الوقت عدالتوں کی برتری کو شریعت کے وقار اور شان کے خلاف سمجھتے تھے۔

تقسیم ہند کے بعد جب دیوبند کے راستے مسدود ہو گئے اور بانی دارالعلوم حقانیہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کو باہرِ مجبوری گھر ٹھہرنا پڑا تو حضرت مرحوم نے اپنے ریاستی فرائض قضا و تعلیم میں شریک کرانے کے لئے مولانا موصوف کو باصرار بلوچستان بلانا چاہا، بات چل رہی تھی، ادھر حق تعالیٰ نے مولانا مدظلہ سے دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں ایک عظیم کام لینا تھا شاید اس لیے یہ دعوت قبول نہ ہو سکی۔ ناچیز کے علاوہ بہت سے حضرات کو یہ حسرت رہی کہ کاش علامہ مرحوم بھی (بلوچستان کی مصروفیت کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو) درس و تدریس کا روایتی سلسلہ اپنے مادر علمی دارالعلوم دیوبند اور اس کے بعد ایسے ہی اہم دینی مدارس میں جاری رکھے ہوتے اور ریاستوں اور عصری جامعات کے اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب کے دینی خدمات کی بجائے کسی مدرسہ کے دارالحدیث یا خانقاہ کی مسندِ ارشاد ہی پر متمکن رہتے تو ان کے خداداد افادہ کا حلقہ اور فیض و استفادہ کا دائرہ بہت ہمہ گیر اور عالمگیر ہوتا اور وہ تلامذہ اور مستفیدین کے اعتبار سے اپنے وقت کے علامہ کشمیری اور علامہ عثمانی بن کر دنیا سے اُٹھتے کہ ان کی عبقری شخصیت اور علوم کی جامعیت کے شایانِ شان یہی تھا۔

بلوچستان اور بہاولپور کے دورِ افتادہ اور علمی و مذہب داروں اور محدث و فرائض نے ان کے علم

وفضل کے بحرِ ذخار کو ایک گونہ بند لگا دیا۔ مگر پھر بھی تقریر و خطابت، تصنیف و تالیف بالخصوص عصرِ حاضر کے جدید مسائل پر قومی اور عصری کمیٹیوں اور مجالس مذاکرہ کی شکل میں آپ نے علم اور دین کی عظیم الشان خدمات سرانجام دیں۔ شاید اس میں بھی اللہ کی یہی حکمت تھی کہ آپ مدارس کے شبانہ روز تدریسی بندھنوں سے آزاد رہ کر ان دائروں میں اسلام کی ترجمانی کر سکیں، جو ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی اور اس لحاظ سے آپ کا مقام عصرِ حاضر کے علماء میں بہت ممتاز تھا کہ اسلامی مباحث و علوم کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے آپ عصرِ حاضر کے اٹھائے گئے شبہات پر سیر حاصل روشنی ڈالتے اور عہدِ جدید کے اذہان اور اس دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے۔ ہر تحریر و تقریر کا محور اور مرکزی نقطہ اسلامی مباحث و عقائد کی حقانیت کو کلامی انداز میں اُجاگر کرنا اور دلنشین کرانا ہوتا، وہ شریعت اسلامیہ کے لازوال عقائد و اصول کو نہایت معقول اور محققانہ انداز میں پیش فرماتے۔ مغرب اور مشریت پر ان کی نشر زنی بڑی جارحانہ ہوتی۔ وہ اس ضمن میں جب مسٹر اور ملا کا موازنہ کرتے تو عجیب نکتہ آفرینی فرماتے کہ مجمعِ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ ان کا اندازِ درس بھی محاضرات اور لیکچرز کا ہوتا جسے ان کے تلامذہ نوٹ کرتے، وہ کسی بھی مشکل اور اہم موضوع کے عجیب عجیب عنوانات قائم کر کے تحلیل و تجزیہ کرتے۔

ماہنامہ الحق کو سب سے زیادہ یہ شرف حاصل ہوا کہ اس نے اپنے آغاز ہی سے علامہ مرحوم کے علوم و مقالات کو پہلی بار شائع کیا۔ حضرت علامہ کے اکثر تصانیف و رسائل کا زیادہ تر حصہ اولاً الحق میں شائع ہوتا رہا اور اس طرح مولانا کے علمی فیوضات سے بیرونی دنیا کو استفادہ و تعارف کا موقع ملا۔ اُن کی مادری زبان پشتو تھی مگر اُردو میں نہایت سُستہ تقریر فرماتے، تحریر کے ساتھ تقریر کا ایسا ملکہ کم ہی پشتون علماء کو حاصل ہوا۔ وہ کسی علمی موضوع پر گفتگو کرتے تو ساری مجلس پر اسلامی عظمت و حقانیت کا رنگ چھا جاتا۔ وہ اسلام کی حقانیت کے ترجمانی اور علمی دنیا کا سرمایہ افتخار تھے اور جب چلے گئے تو اپنا بدل اور نظیر نہیں چھوڑ سکے کہ اس دور میں ایسے وسیع النظر علماء تو کیا ان سے بہت کم درجے کے اصحاب علم و دانش کا وجود عقلاً بنتا جا رہا ہے۔ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو ان کی علمی عظمتوں کی طرح وہاں بھی بلند وارف درجہات سے نوازے اور انکے پسماندگان کو صبرِ جمیل نصیب ہو۔

اللهم افض عليه من شایب رحمتك وعفوك وادخله الجنة واستقبننا من علومه

وبرکاته آمین (الحق گت ۱۹۸۳ء)